البیان
جاوید احمد غامدی

# النحل - بنی اسرائیل

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا باہمی تعلق اجمال اور تفصیل کا ہے۔ چنانچہ پہلی سورہ میں جو چیزیں اشارات کی صورت میں ہیں، دوسری میں اُن کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ یہود سے مفصل خطاب، اخلاق کے فضائل و رذائل کی وضاحت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے لیے تیاری کی ہدایت اِس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

دونوں سورتوں کا موضوع انذار و بشارت ہے جو پچھلی سورتوں سے چلا آ رہا ہے اور دونوں میں خطاب اصلاً قریش ہی سے ہے۔ دوسری سورہ ــــ بنی اسرائیل ــــ میں، البتہ یہود سے بھی مفصل خطاب کیا گیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ قریش کی حمایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے اب وہ بھی پوری طرح میدان میں آ چکے ہیں۔

اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں اُس وقت نازل ہوئی ہیں، جب ہجرت کا مرحلہ قریب آ گیا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

## البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سورۃ النحل

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾ یُنَزِّلُ
الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ

---

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے، سو اُس کے لیے جلدی نہ مچاؤ[۱]۔ وہ پاک اور برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں[۲]۔ (اِنھیں بتاؤ، اے پیغمبر کہ ہر شخص اِس کا اہل نہیں ہوتا کہ اللہ اُس پر فرشتے اتار دے)۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اپنے حکم کی وحی[۳] کے ساتھ فرشتے اتارتا ہے، (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا (تمھارا) کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا

---

۱؎ یہ اُس فیصلے کا اعلان ہے جو رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد لازماً صادر ہو جاتا ہے۔ قرآن کے مخاطبین اُسی کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے۔ یہ اُنھی کو خطاب فرمایا ہے۔

۲؎ اِس آیت میں پہلے براہ راست خطاب ہے، پھر غائب کا صیغہ آ گیا ہے۔ یہ التفات کیوں ہوا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۳﴾
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ
فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ
وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ

مجھی سے ڈرو۔ اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔[۴] (اُس کے فیصلوں پر کوئی اثرانداز نہیں ہوسکتا)، وہ برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔ اُس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا تو دیکھتے ہو کہ یکایک وہ ایک کھلا ہوا حریف بن کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔[۵] یہ چوپایے بھی اُس نے پیدا کیے ہیں جن میں تمھارے لیے جاڑے کی پوشاک ہے اور دوسرے فائدے بھی اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ اِن کے اندر تمھارے لیے جمال بھی ہے، جبکہ شام کے وقت اِن کو واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔[۶] یہ تمھارے بوجھ ایسی جگہوں تک لے جاتے

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

’’...اِس میں بلاغت یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں تہدید و وعید ہے جس کے لیے خطاب ہی کا اسلوب زیادہ موزوں ہے اور اِس دوسرے ٹکڑے میں کراہت و نفرت کا اظہار ہے جس کے لیے غائب کا صیغہ زیادہ مناسب تھا۔ گویا بات اُن سے منہ پھیر کر فرمائی گئی۔‘‘ (تدبرقرآن ۴/ ۳۸۹)

۳۔ اصل میں ’بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ‘ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اپنے حکم کی روح کے ساتھ۔ ’رُوْح‘ سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو پھونک یا کلمہ خدا سے صادر ہو کر فرشتہ بن جاتا ہے یا انسان کا قالب اختیار کرتا ہے یا لفظ کا جامہ پہنتا ہے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے۔

۴۔ یعنی غایت و حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ یہ کائنات بامعنی انجام کو پہنچے اور اِس میں جو کچھ ہوا ہے، خدا کی عدالت انصاف کے ساتھ اُس کا فیصلہ سنا دے۔ یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اِس میں جو چاہیں، کرتے پھریں اور اُن سے کوئی بازپرس نہ ہو۔

۵۔ اشارہ ہے اُنھی سرکشوں کی طرف جو اُس وقت قرآن کے مخاطب تھے۔

الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا
وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ
شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

---

ہیں، جہاں تم جان توڑ کر ہی پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار بڑا ہی شفیق، بڑا مہربان ہے۔ یہ گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی اُس نے پیدا کیے ہیں تاکہ تم اِن پر سوار ہو اور یہ زینت بھی ہیں۔ وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے۔ (اُس کو پانا چاہتے ہو تو جان لو کہ) اللہ تک سیدھی راہ پہنچاتی ہے، جبکہ راہیں ٹیڑھی بھی ہیں۔ (اُس نے تمھیں اختیار دیا ہے کہ جو راہ چاہے، اختیار کرو)، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (اُسی ایک راہ کی) ہدایت دے دیتا۔ ۱-۹

---

۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ'۔ اِن میں 'سَرْح' کو بظاہر 'اِرَاحَة' پر مقدم ہونا چاہیے تھا، لیکن قرآن نے اُسے موخر کر دیا ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''... اِس کی وجہ یہ ہے کہ موقع کلام اظہار شان کا ہے اور شان کا اظہار گلے کی شام کو واپسی میں زیادہ ہے، جبکہ وہ چراگاہ سے چر چگ کے تازگی اور فربہی کی حالت میں گھر کو واپس آتا ہے۔ یہ بات اِس درجہ میں اُس وقت نہیں ہوتی، جب وہ صبح کو چرنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/۳۹۱)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org